۷

کامیابی اسلامی اصول پر چلنے سے ہی حاصل ہو سکتی ہے

(فرمودہ ۱۸؍ فروری ۱۹۳۸ء)

تشہّد ، تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''ہر ایک کام کیلئے کوئی طریق مقرر ہوتا ہے جس طریق پر چلنے سے اس میں کامیابی حاصل کی جاتی ہے اور جب تک اس طریق کو استعمال نہ کیا جائے اپنی کامیابی کی امید رکھنا محض جہالت اور بیوقوفی ہوتا ہے کیونکہ جو شخص الٰہی قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ اپنے آپ کو مجرم بنا لیتا ہے اور مجرم کا یہ امید رکھنا کہ اس کے اس جُرم میں خدائی تائید حاصل ہوگی ، نہ صرف کم عقلی اور حماقت کی بات ہے بلکہ گستاخی کی بات بھی ہے۔

دنیا میں جب قوموں کے اخلاق گر جاتے ہیں اور وہ دین اور روحانیت سے بالکل کوری ہو جاتی ہیں تب ان میں ایسے لوگ پیدا ہو جاتے ہیں جو خدا اور اس کی شریعت کو اپنے جرائم کی تائید میں استعمال کرنے لگ جاتے ہیں۔ مثلاً اب مسلمانوں میں ان کی تباہی اور تنزّل کے وقت ایسے لوگ ہیں جو مثلاً چوریوں کیلئے اپنے بزرگوں اور پیروں کے پاس تعویذ لینے جاتے ہیں اور ایسے پیر کہلانے والے موجود ہیں جو نہایت شوق سے چند آنے یا چند روپے لے کر ایسے تعویذ لکھ کر دے دیتے ہیں جن کی غرض یہ بتائی جاتی ہے کہ ان کی مدد سے چور پکڑا نہ جائے گا اور وہ اپنی چوری کے فعل میں کامیاب ہو جائے گا۔ گویا وہ اللہ تعالیٰ کو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ چوروں کا سردار قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنے ناجائز تعلقات کیلئے عاملوں اور

پِیروں کے پاس تعویذ لینے جاتے ہیں اور ایسے پِیر اور عامل کہلانے والے موجود ہیں جو باوجود اپنی بدعملی کے عامل کہلاتے اور کچھ روپے لے کر ایسے تعویذ لکھ کر دے دیتے ہیں جن کے نتیجہ میں کہا جاتا ہے کہ کسی شریف کی بہو بیٹی اس بدمعاش کے قابو میں آجائے گی۔ گویا وہ دلاّلی کا ذلیل ترین پیشہ نَعُوْذُبِاللہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ یہ قومی تباہی کی ایک علامت ہے۔ لیکن کوئی ترقی یافتہ اور سمجھدار قوم جو ترقی کے راستہ پر قدم مارنے والی ہو اِس قسم کی بیوقوفیاں اور حماقتیں نہیں کریگی۔

مسلمانوں کی طرح ہندوؤں میں بھی یہ باتیں پائی جاتی ہیں اور ایک قلیل حد تک عیسائیوں میں بھی یہ باتیں پائی جاتی ہیں اور یوں تو ہر قوم میں ایسے آدمی پائے جاتے ہیں جو دوسری قوموں کے بزرگوں اور عاملوں یعنی بزرگ اور عامل کہلانے والوں کے پاس جاتے اور ان سے ایسے تعویذ اور ایسی تحریریں لکھواتے ہیں جن سے وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے ناجائز مطالب پورے ہو جائیں گے۔ ان خیالات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ واقعہ میں ایسے تعویذوں میں کوئی اثر ہے بلکہ یہ خیالات اس طریق کی برائی کو اور بھی واضح کر دیتے ہیں۔ اگر اس قسم کے جرائم دنیا میں نہ ہوتے تو شاید کسی کیلئے یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا کہ کیونکر کوئی شخص غلط طریق پر چلتے ہوئے یہ سمجھ لیتا ہے کہ میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ مگر ان مثالوں سے نہ صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ بعض لوگ غلط طریق پر چلتے ہوئے سمجھتے ہیں کہ وہ کامیاب ہو جائیں گے بلکہ ان مثالوں سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ بعض لوگ شرمناک جرائم کا ارتکاب کرتے ہوئے یہ امید رکھتے ہیں کہ نَعُوْذُبِاللہِ خدا ان کی مدد کرے گا اور وہ ڈاکہ یا چوری یا کسی ناجائز تعلق میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن مومن ایسا کبھی خیال نہیں کر سکتا۔ ہمیں قرآن کریم سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہر وہ انسان جو اپنے جرائم کی وجہ سے خدا تعالیٰ کو ناراض نہیں کر دیتا، اللہ تعالیٰ کا پیارا اور اس کی محبت کا نقطہ ہوتا ہے۔ مجرم بے شک اللہ تعالیٰ کو ناراض کر دیتا ہے اور الٰہی تائید کو اپنے اوپر نازل ہونے سے ایک حد تک روک بھی دیتا ہے۔ مگر جو مجرم نہیں خواہ وہ سچے دین میں شامل ہو یا نہ ہو، وہ حقیقی مذہب کو ماننے والا ہو یا نہ ہو، محض شرافتِ نفس کی وجہ سے خدائی فضل کو ایک حد تک جذب کر رہا ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ سچے دین کو ماننے والا اللہ تعالیٰ کی زائد برکات

اور اس کے زائد انعام حاصل کر لیتا ہے مگر اس میں بھی کوئی شُبہ نہیں کہ وہ شخص جو اخلاص سے اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے مگر سچائی ابھی اس تک نہیں پہنچی یا پہنچ تو گئی ہے مگر ابھی وہ اس کو پورے طور پر سمجھ نہیں سکا، ایسا انسان خدا تعالیٰ کے فضلوں سے محروم نہیں ہوتا کیونکہ وہ اپنے رنگ میں خدا تعالیٰ سے محبت کرر ہا ہوتا ہے اور اس سے تعلق جوڑنے کی کوشش کرر ہا ہوتا ہے۔ بے شک وہ ان فوائد سے محروم رہ جائے گا جو خدائی قُرب سے ایک انسان کو حاصل ہو سکتے ہیں مگر یہ نہیں ہوگا کہ خدا تعالیٰ اس پر اپنا غضب نازل کرے اور اس کی تباہی کے احکام نازل کرے۔

ایسے ہی واقعہ کی مثال میں نے کئی دفعہ سنائی ہے۔ مثنوی رومی والوں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک دفعہ کسی جنگل میں سے گزر رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا ایک گڈریا بیٹھا ہے اور عالَمِ بے خودی میں اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ اے اللہ! اگر تُو مجھے مل جائے تو میں تیرے پیروں میں سے کانٹے نکالا کروں، تیری گدڑی میں پیوند لگاؤں، تیری جُوئیں نکالوں، تجھے مَل مَل کر نہلاؤں، تُو تھک کر سو جائے تو میں تیرے پیر دباؤں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ باتیں سُنیں تو انہوں نے اپنا عصا اُٹھایا اور اُسے زور سے مار کر کہا بے حیا! تجھے شرم نہیں آتی تو خدا کی ہتک کر رہا ہے۔ وہ ڈر کے مارے بھاگا۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو الہام ہؤا کہ اے موسیٰ! تُو نے اپنے اس فعل سے ہمیں تکلیف دی ہے۔ یہ بندہ جو کچھ کہہ رہا تھا یہ کسی بغض اور دشمنی کی وجہ سے تو نہیں کہہ رہا تھا۔ یہ ہمارا ایک نادان بندہ تھا جس تک وہ علم نہیں پہنچا جو تجھ تک پہنچا ہے مگر اس کے دل میں محبت تھی اور وہ اپنے رنگ میں ہم سے اپنی محبت اور عشق کا اظہار کر رہا تھا، تمہارا کیا حق تھا کہ تم اسے سرزنش کرتے۔ تمہارا زیادہ سے زیادہ یہ کام تھا کہ تم اسے سمجھاتے مگر مارنا اور غصے ہونا یہ تمہارا کام نہیں تھا۔ اس کہانی میں بھی یہی بات بیان کی گئی ہے کہ وہ شخص جس کے تعلقات خدا تعالیٰ سے محبت پر مبنی ہوں، چاہے وہ غلط رنگ میں ہی اس سے محبت کا اظہار کر رہا ہو، وہ اس کی ناراضگی کا مورد نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ اپنے رنگ میں ایک نیک کام کر رہا ہوتا ہے اور اس کی وہی ادا خدا تعالیٰ کو پیاری معلوم ہوتی ہے۔ پس ایسا شخص اگر کوئی اور جرائم نہیں کر رہا تو یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کا فضل جذب کرے گا اور آخر ایک دن ہدایت پا جائے گا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا[1] کہ وہ لوگ جو ہمیں پانے کی کوشش کرتے ہیں اور جن کی نیت یہ ہوتی ہے کہ ہم تک پہنچ جائیں ہمیں اپنی ذات ہی کی قسم ہے کہ ہم اپنے قُرب کا راستہ ضرور دکھا دیتے ہیں۔ یہ کتنی محبت اور شفقت کا کلام ہے اور کتنا یقینی، قطعی اور حتمی وعدہ ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا۔ بندہ کا کام صرف کوشش کرنا ہے۔ ورنہ اپنے طور پر وہ کامل علم اسے کہاں حاصل ہوسکتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ ہمیں پالے۔ اس کا کام یہی ہے کہ کوشش کرے۔ پس وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا جو لوگ کوشش کرتے ہیں وہ اپنی ذمہ داری کو ادا کردیتے ہیں۔ آگے یہ ہمارا کام ہوتا ہے کہ ہم انہیں صحیح علم دیں۔ چنانچہ فرماتا ہے جب بندے نے اپنا کام کرلیا تو کس طرح ممکن ہے کہ ہم جو قادر ہیں جو کامل ہیں اور جو ہر نقص اور عیب سے منزہ ہیں، اپنے فرض کو ادا نہ کریں۔ سو لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ہم اپنی ذات ہی کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ضرور ہم انہیں ان راستوں سے چلا کر لے آئیں گے جو ہم تک پہنچنے والے ہوں۔ کتنا شاندار وعدہ ہے اور انسانی قلب کی نیکی کا کتنا بڑا اعتراف ہے جو انسان کو پیدا کرنے والے رب نے کیا۔ تو انسان کی طرف سے اگر صحیح جدوجہد ہو تو بھی اگر نیک نیتی سے غلط رنگ میں جدوجہد ہو تو بھی اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو جذب کر لیتا ہے مگر جب صحیح جدوجہد نہ ہو اور انسان شرارت اور گستاخی کر رہا ہو تو وہ کسی صورت میں اللہ تعالیٰ کے فضل کو جذب نہیں کرسکتا۔ خواہ وہ سچے مذہب میں شامل ہو یا جھوٹے مذہب میں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سچے مذہب میں ہوتے ہوئے ان راستوں کو اختیار نہیں کرتا جو اللہ تعالیٰ کے قُرب تک پہنچانے والے ہوں تو وہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے غضب کو زیادہ بھڑکاتا ہے کیونکہ اس نے علم رکھتے ہوئے نافرمانی کی اور جو غلط راستے پر تھا اس نے بے علمی میں نافرمانی کی اور اس میں کیا شبہ ہے کہ جو شخص بے علمی میں نافرمانی کرے وہ کم مجرم ہے بہ نسبت اس شخص کے جو علم کے باوجود نافرمانی کرتا ہے۔

اسی نکتہ کی طرف اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مومنوں کو اس موقع پر توجہ دلائی ہے۔ جہاں حج کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تم گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہؤا کرو اور جس کام کو کرنا چاہو کرو اس کیلئے وہ طریق استعمال کرو جو خدا تعالیٰ نے اس کام کیلئے مقرر کئے ہیں۔[2] مثلاً گھر میں داخل ہونے کا سہل اور آسان طریق یہ ہے کہ دیواروں میں جو مَنَافِذ یعنی دروازے

بنائے جاتے ہیں ان کے ذریعہ انسان اندر داخل ہو جائے لیکن اگر کوئی شخص کسی کے گھر دروازہ میں سے داخل ہونے کی بجائے سیندھ لگانا شروع کر دے اور کہے کہ میں سیندھ لگا کر اندر داخل ہوں گا تو گھر والے بھی شور مچائیں گے اور ہمسائے بھی شور مچائیں گے اور پولیس اسے گرفتار کر کے لے جائے گی۔ یا فرض کرو وہ اپنے گھر میں ہی دروازہ میں سے اندر داخل ہونے کی بجائے دیوار پھاند کر آ جاتا ہے تو گو اس پر چوری کا الزام نہیں لگے گا اور نہ اسے دخلِ بے جا کا کوئی شخص مرتکب قرار دے گا مگر ہر دیکھنے والا اسے احمق اور بیوقوف کہے گا اور اسے عقل سے بالکل کورا قرار دے گا۔ تو جو چیز اپنی ہوتی ہے اور کسی اور کا اس میں دخل نہیں ہوتا اس میں بھی انسان اگر صحیح طریق کو چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار کرے تو ہر شخص یا تو اسے احمق اور بیوقوف کہے گا یا بھانڈ اور مسخرہ قرار دے گا۔ مثلاً پانی پینے کا طریق یہ ہے کہ گلاس میں پانی بھرا جائے اور منہ لگا کر پی لیا جائے لیکن اگر کوئی شخص اس طرح پینے کی بجائے کُتّے کی طرح پانی کو زبان سے چاٹنے لگ جائے تو ہر شخص اسے ذلیل اور حقیر تصور کرے گا یا گلاس کے اوپر ہونٹ لگانے کی بجائے اگر وہ چاقو سے گلاس میں کسی اور جگہ سوراخ کر لے اور کہے کہ میں اس جگہ سے پانی پیوں گا یا پیندے میں سوراخ کر لے اور کہے کہ میں اوپر کی بجائے نیچے سے پانی پیوں گا تو کوئی اسے عقلمند قرار نہیں دے گا بلکہ ہر شخص اسے احمق اور بیوقوف کہے گا۔ انسان کا پاجامہ اور کُرتہ اس کی اپنی ملکیت ہوتا ہے لیکن اگر وہ پاجامے کو گردن میں ڈال لے اور کُرتے میں ٹانگیں ڈال دے تو کوئی نہیں کہے گا کہ چونکہ یہ اس کا اپنا کُرتہ اور اپنا پاجامہ ہے اس لئے اس کا حق ہے کہ جس طرح جی چاہے استعمال کرے۔ ہر شخص کہے گا کہ گو کُرتہ اس کا ہے مگر لاتوں کیلئے نہیں اور گو پاجامہ بھی اسی کا ہے مگر گردن میں ڈالنے کیلئے نہیں اور اگر کوئی شخص کُرتہ اور پاجامہ کو اپنی ملکیت کے گھمنڈ میں اُلٹا پہن لے یعنی کُرتے کی جگہ پاجامہ اور پاجامے کی جگہ کُرتہ تو ہر شخص کہے گا کہ یا تو یہ پاگل ہے یا بھانڈ اور مسخرہ ہے کہ یہ صحیح طریقہ جو مقرر ہے وہ اختیار نہیں کرتا۔

تو محض کسی چیز کا مالک ہونا تمہیں اس کے استعمال میں بالکل آزاد نہیں کر دیتا۔ تم اپنے گھر میں دروازہ سے داخل ہونے کی بجائے سیندھ لگانے لگ جاؤ یا دیوار پھاند کر اندر داخل ہو جاؤ یا تم اپنی روٹی بجائے منہ میں ڈالنے کے ناک میں ڈالنے لگ جاؤ یا پانی بجائے سیدھی طرح

پینے کے اسے کُتّے کی طرح لق لق کر کے چاٹنے لگ جاؤ یا گلاس میں چاقو سے سوراخ کر کے یا اس کے پیندے کو توڑ کر وہاں منہ لگا کر پانی پینے لگ جاؤ۔ تو کیا تم سمجھتے ہو کہ چونکہ یہ چیزیں تمہاری ہیں اس لئے ان میں کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں۔ بے شک یہ چیزیں تمہاری ہی ہوں گی مگر باوجود اس کے کہ گھر تمہارا ہوگا، روٹی تمہاری ہوگی، پانی تمہارا ہوگا، گلاس تمہارا ہوگا، پھر بھی اگر غلط طریق اختیار کرتے ہو تو ہر شخص کا حق ہے کہ تمہیں پاگل اور بیوقوف سمجھے گا جس طرح اگر تم کسی کو دیکھو کہ وہ ایسا کر رہا ہے تو تمہارا بھی حق ہے کہ اسے احمق قرار دو اور نہ صرف تمہارا یہ حق ہے بلکہ تم اس حق کو استعمال بھی کرو گے اور فوراً فیصلہ کر دو گے کہ یا تو یہ احمق ہے یا بھانڈ اور شرارتی ہے۔ تو محض کسی چیز کو اپنا قرار دے کر اس کا غلط استعمال درست نہیں ہوتا اور جب چیز بھی اپنی نہ ہو تو اس کا غلط استعمال تو انسان کو اور زیادہ مجرم بنا دیتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو دیکھے کہ وہ ننگے پاؤں پھر رہا ہے اور اسے ہمدردی کے طور پر اپنا بُوٹ یا جُوتی دے دے تو اگر وہ شخص بوٹ میں اپنا پیر بھی ڈالے اور ساتھ ہی چند لکڑی کے ٹکڑے اور پتھر کے ٹکڑے بھی ڈال لے تو ہر دیکھنے والا اسے بیوقوف اور احسان فراموش قرار دے گا اور کہے گا یہ کیسی بیہودگی ہے کہ اس نے تو اپنا بوٹ اسے پہننے کیلئے دیا اور اس نے اس میں لکڑی کے ٹکڑے بھی رکھ لئے تا کہ وہ جلدی پھٹے۔ پھر صرف دوسرے کی جوتی کو استعمال کرنے کا سوال نہیں۔ اگر یہ اپنی جُوتی بھی اسی طرح استعمال کرے گا تو بھی ہر دیکھنے والا اس پر ہنسے گا اور اسے احمق اور بیوقوف قرار دے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے کرتہ اور پاجامہ کا غلط استعمال کرتا ہے یعنی کُرتے کی جگہ پاجامہ اور پاجامے کی جگہ کُرتہ ڈال لیتا ہے۔ تب بھی لوگ اسے بیوقوف کہیں گے اور اگر کسی دوسرے کے کُرتے اور پاجامے کے ساتھ یہ سلوک کرتا ہے تو لوگ اسے احمق بھی کہیں گے اور ساتھ ہی شرارتی بھی کہیں گے کہ اس نے بجائے دوسرے کا احسان مند ہونے کے اس کا کُرتہ پھاڑا اور اس کے پاجامے کا نقصان کیا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بندوں کو جو چیزیں دی ہیں وہ گو بندوں کی نظر آتی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی ہیں۔ یہ آنکھیں جو ہم کو ملی ہیں، یہ کان جو ہم کو ملے ہیں، یہ ہاتھ جو ہم کو ملے ہیں، یہ پاؤں جو ہم کو ملے ہیں۔ اسی طرح وہ روپیہ، وہ علم، وہ فہم، وہ فراست اور وہ ذہن

جو ہم کو ملا ہے یہ سب چیزیں خدا تعالیٰ کی ہیں اور گو بظاہر یہ ہمارے قبضہ میں ہیں مگر کون کہہ سکتا ہے کہ یہ چیزیں ہم نے بنائی ہیں۔ ہمارے پیدا ہونے سے لاکھوں سال پہلے یہ تمام چیزیں موجود تھیں جو پہلوں سے ہماری طرف منتقل ہوئیں اور ان کو ان سے پہلوں سے ملیں اور ان کو ان سے بھی پہلوں سے ملیں اور اس طرح یہ سلسلہ چلتا چلا گیا۔ پس یہ تمام نعمتیں ہماری تمہاری نہیں بلکہ خدا نے ہمیں دی ہیں اور پھر ان نعمتوں کے استعمال کے متعلق اس نے کچھ قوانین مقرر کئے ہیں اور بعض حد بندیاں مقرر کی ہیں کہ اس حد تک ان چیزوں کو اپنی ذات پر استعمال کر سکتے ہیں اور اس حد تک خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت یا بنی نوع انسان کی بہبودی کیلئے تمہیں استعمال کرنی چاہئیں۔ دنیا میں کئی ایسے لوگ ہیں جو اس ذمہ داری کو قبول کر لیتے ہیں اور کئی ایسے بھی ہیں جو قبول نہیں کرتے۔ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں کوئی مامور آتا ہے تو جو لوگ اسے نہیں مانتے وہ ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے ایک شخص نے کسی دوسرے کے پاس اپنی امانت رکھی مگر جب وہ امانت لینے کیلئے آیا تو اس نے کہہ دیا کہ میں امانت نہیں دیتا جاؤ اپنے گھر بیٹھو مگر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو خدا تعالیٰ کے مامور کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ وہ اقرار کرتے ہیں کہ انہیں جس قدر چیزیں ملی ہیں یہ ان کی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی ہیں مگر پھر وہ عہد شکنی کرتے ہیں اور دھوکہ بازی سے کام لیتے ہیں۔ ان کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی کے پاس مثلاً ہزار روپے امانت رکھے اور جب وہ روپیہ لینے کیلئے آئے تو یہ بڑے اکرام اور اجلال کے ساتھ پیش آئے، اپنی مسند پر اسے بٹھائے اور کہے آیئے تشریف لایئے۔ میں تو آپ کا ہی شب و روز انتظار کر رہا تھا، شکر ہے کہ آپ آ گئے اور میں امانت کے فرض سے سبکدوش ہوا اور یہ کہہ کر وہ اندر جائے اور تھیلی میں بجائے روپیہ کے مٹی کی ٹھیکریاں بھر کر اس کے سامنے رکھ دے اور کہہ دے لیجئے یہ آپ کا ہزار روپیہ ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اس کے صرف یہ کہہ دینے سے کہ میرے ذمہ آپ کی امانت ہے آیئے آپ اپنی امانت لے لیں، وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائے گا چاہے تھیلی میں روپیہ کی بجائے ٹھیکریاں ہی بھر کر پیش کر دے۔ اور کیا تم خیال کرتے ہو کہ جس نے اس کے پاس امانت رکھی تھی وہ بڑا خوش ہوگا اور کہے گا کہ اس نے روپیہ دینے کا اقرار تو کیا اور کوئی نہ کوئی چیز بھی مجھے دے دی۔ یقیناً وہ کبھی خوش نہیں ہوگا بلکہ جب دیکھے گا کہ

اس نے روپیہ کی بجائے ٹھیکریاں دی ہیں تو اس کا غصہ بھڑک اٹھے گا اور وہ کہے گا کہ تم نہ صرف خائن ہو بلکہ میری ہتک بھی کرتے ہو۔ اسی طرح وہ انسان جو خدا تعالیٰ کے انبیاء کا انکار کرتے ہیں وہ تو ویسے ہی ہوتے ہیں جیسے کسی کے پاس کوئی امانت رکھے اور وہ بعد میں کسی دوسرے وقت اپنی امانت لینے جائے تو کہہ دے کہ مَیں نے آپ کا کچھ نہیں دینا۔ وہ بھی کہتے ہیں کہ ہم نے خدا کا کچھ نہیں دینا۔ اسی طرح وہ بھی مجرم ہوتے ہیں جو یہ تو مان لیتے ہیں کہ ہم نے خدا تعالیٰ کا دینا ہے مگر کہتے ہیں ہمیں اس بات پر اعتبار نہیں کہ تمہیں خدا تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ جب خدا تعالیٰ خود ہمارے پاس آئے گا تو ہم اسے امانت دے دیں گے۔ حالانکہ جب اس نے بندوں کے پاس امانت رکھی تھی اُسی وقت کہہ دیا تھا کہ میں خود یہ امانت لینے نہیں آؤں گا بلکہ میرے رسول آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ ایسے لوگ بھی مجرم ہیں اور پھر ایسوں کے پاس اللہ تعالیٰ خود آتا ہے مگر اپنی امانت لینے کیلئے نہیں بلکہ انہیں تباہ کرنے کیلئے۔ چنانچہ فرمایا أَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ [۳] کہ پھر اللہ تعالیٰ ان کے دروازوں پر اپنی امانت مانگنے نہیں آتا بلکہ ان کی بنیادوں اور جڑوں پر اپنے قہر کی بجلی گرانے آتا ہے۔ لیکن ان دو کے علاوہ ایک تیسری جماعت بھی ہوتی ہے جس وقت خدا تعالیٰ کا کوئی پیغامبر آتا ہے وہ آگے بڑھتے ہیں اور کہتے ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ ہم پر امانت کا ایک زبردست بوجھ تھا اور ہم تو اس بات کی امیدیں لگائے بیٹھے تھے کہ کوئی امانت لینے والا آئے تو اسے امانت سپرد کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔ سو خدا کا شکر ہے کہ آپ آ گئے۔ یہ اقرار جو وہ کرتے ہیں اسی کا نام بیعت ہوتا ہے۔ چنانچہ بیعت کے یہی معنے ہیں کہ ہم نے تسلیم کر لیا کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ ہمارا نہیں بلکہ آپ کا ہے۔ جس طرح کسی کے نام پٹہ لکھ دیا جاتا ہے یا بعض لوگ کسی اور کو اپنا ایجنٹ بنا دیتے ہیں اسی طرح بیعت ایک پٹہ اور ایک اقرار ہوتا ہے اس امر کا کہ ہماری ہر چیز کا مالک خدا ہے اور تم اس کے نمائندہ اور ایجنٹ ہو اور تم اس بات کا حق رکھتے ہو کہ جس وقت چاہو اپنی چیز کا ہم سے مطالبہ کر لو مگر جب انہی لوگوں سے امانت مانگی جاتی ہے تو وہ بجائے روپیہ اور قیمتی جواہر پیش کرنے کے ٹھیکریاں اور کوڑیاں اور اسی طرح کی اور ذلیل اور گندی چیزیں اسے چُھپا کر دینا چاہتے ہیں اور خواہش رکھتے ہیں کہ ہم لوگوں کے سامنے سُرخرو بھی ہو جائیں کہ ہم نے امانت ادا کر دی اور

چیز بھی ہمارے پاس رہے۔ مگر کون کہہ سکتا ہے کہ انہوں نے امانت ادا کی، کون کہہ سکتا ہے کہ خدا ان کے اس فعل پر خوش ہوگا۔ یقیناً خدا ان پر ناراض ہوگا بلکہ دوسروں سے زیادہ ناراض ہوگا اور کہے گا کہ تم سے جب میں نے امانت مانگی تو تم نے عملاً فریب کاری سے کام لیتے ہوئے چاہا کہ مجھے دھوکا دو۔ پس تم نے نہ صرف خیانت کی بلکہ ہمارے نمائندہ کی ہتک بھی کی ہے۔ تو یہ طریق کامیابی کا نہیں۔ یہ مکان میں اس کے دروازہ سے داخل ہونے کا طریق نہیں بلکہ سیندھ لگا کر اندر داخل ہونے کا طریق ہے۔ یہ ایسا ہی طریق ہے کہ جیسے کوئی کہے میں اندھیری رات میں ہزار مصیبتوں کے بعد بڑی محبت اور پیار سے فلاں کے مکان کے پاس آیا تھا اور چاہا تھا کہ سیندھ لگا کر اندر داخل ہو جاؤں مگر اس نے چور چور کہہ کر مجھے پکڑوا دیا۔ بھلا دنیا میں اس سے زیادہ اَور کیا اندھیر ہوگا کہ میں اتنی محبت سے آیا اور اس نے مجھے پولیس کے سپرد کر دیا۔ ہر شخص اسے کہے گا کہ تُو دھوکا اور فریب سے کام لے رہا تھا اگر ملنے کیلئے آیا تھا تو چاہئے تھا کہ دروازہ سے داخل ہوتا مگر جب تو دروازہ سے داخل نہیں ہوا بلکہ تُو نے سیندھ لگانی شروع کر دی تو اس کا صاف یہ مطلب تھا کہ تو چاہتا تھا کہ اندھیری رات میں جو مال ملے اسے ہتھیا لے۔ تو ایسا انسان مجرم ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے غضب کو اپنے اوپر بھڑکاتا ہے جو صحیح طریق اختیار نہیں کرتا۔

اب میں اپنی جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ ہماری جماعت کے دوست غور کریں کہ ان میں سے ہر شخص نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر یا اگر اسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھنے کا موقع نہیں ملا تو اس نے آپ کے خلفاء کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اس امر کا اقرار کیا ہے کہ جو کچھ میرا ہے وہ میرا نہیں بلکہ خدا کا ہے۔ میں اس کی ملکیت کو تسلیم کرتا اور اس کے ایجنٹ اور مختار کے ہاتھ پر اقرار کرتا ہوں کہ اس کے دین کی خدمت کے لئے جس قسم کی قربانیوں کی ضرورت ہوگی ان تمام قربانیوں میں حصہ لوں گا، اس کے تمام احکام کو قبول کروں گا، اسلام کے احیاء کیلئے ہمیشہ کوشاں رہوں گا اور اپنی اور اپنے رشتہ داروں کی تمام زندگی اسلام کی ترقی کیلئے لگا دوں گا۔ اب آپ لوگ غور کریں کہ کیا واقعہ میں ہم میں سے ہر شخص اس امانت کو ادا کر رہا ہے؟

ہم جب یہ کہتے ہیں کہ ہم احمدی ہیں تو ہماری مثال اُس امین کی سی ہوتی ہے جو کہتا ہے ہاں جی امانت میرے پاس ہے۔ آپ بخوشی لے لیں۔ مگر کیا کسی کا صرف منہ سے یہ الفاظ کہہ دینا اسے اپنے فرض سے سبکدوش کرسکتا ہے؟ جبکہ حقیقت یہ ہو کہ اس سے جب امانت طلب کی جائے تو وہ بجائے روپیہ دینے کے ٹھیکریاں اور ایسی ہی اور رڈی چیزیں جنہیں غلاظت لگی ہوئی ہو، پیش کرنے لگ جائے اور جبکہ واقعہ یہ ہو کہ بسا اوقات جس چیز کا نام وہ ایمان رکھتا ہے وہ منافقت ہوتی ہے، جس چیز کا نام وہ قربانی رکھتا ہے وہ ریاء ہوتی ہے اور جس چیز کا نام وہ حزم اور احتیاط رکھتا ہے وہ سُستی اور غفلت ہوتی ہے اور وہ ان ٹھیکریوں کو پیش کر کے چاہتا ہے کہ میری تعریف ہو۔ میرے متعلق یہ کہا جائے کہ یہ سلسلہ کا بڑا دیانتدار اور امین کارکن ہے اور اپنے فرائض کو خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کرنے والا سپاہی ہے حالانکہ ان باتوں سے کام نہیں چلتا۔ جب ایک معمولی عقل وفہم کا مالک انسان بھی ایسی باتوں سے دھوکا نہیں کھا سکتا تو خدائے عالم الغیب ان باتوں سے کب دھوکا کھا سکتا ہے اور پھر انبیاء کی جماعتوں کا تو ایک مقررہ طریق ہوتا ہے۔ اس طریق سے اگر وہ بال بھر بھی اِدھر اُدھر ہوں تو کبھی کامیاب نہیں ہوسکتیں۔ اور میں نے نہ ایک دفعہ بلکہ بارہا بتایا ہے کہ جب تک ہماری جماعت ان طریقوں پر نہیں چلے گی سلسلہ کی خدمت کبھی بھی وہ صحیح معنوں میں نہیں کرسکتی۔

ابھی تک ہمارا بہت سا نظام موجودہ زمانہ کے مغربی اثر سے متأثر اور اسی کے تابع ہے اور ہمارے زیادہ تر کام مغربی امور کی نقل ہیں۔ اسلامی اصول ابھی تک ہم اپنے نظام میں بھی جاری نہیں کرسکے۔ مثلاً تحریک جدید ہے۔ اس کے شروع ہی میں مَیں نے کہا تھا کہ اس میں ملازمتوں پر بنیاد نہیں رکھی جائے گی۔ چنانچہ اس اصل پر یہ کام ایک حد تک چلایا جارہا ہے اور اب تحریک جدید کے دوسرے دَور میں ان شرائط کو اور بھی مستحکم کردیا گیا ہے۔ مگر تحریک جدید سلسلہ کے شعبہ جات میں سے ایک بہت چھوٹا سا شعبہ ہے۔ اس میں بے شک اور رنگ میں کام شروع ہے مگر سلسلہ کے باقی تمام کام ویسے ہی چل رہے ہیں جیسے یورپ میں انجمنیں چلا کرتی ہیں۔ تنخواہ دار ملازموں کا ایک لمبا سلسلہ ہے۔ ان کے باقاعدہ گریڈ ہیں اور ان کو ہر سال ترقیاں ملتی ہیں حالانکہ انبیاء کی جماعتوں میں کوئی ایک مثال بھی اس قسم کی انجمنوں کی نہیں ملتی جن میں

تنخواہ دار ملازم ہوں، ان کے باقاعدہ گریڈ ہوں اور ان میں تنخواہوں اور گریڈوں پر آپس میں بحثیں ہوتی ہوں۔ اگر ایک مثال بھی کسی زمانہ میں اس قسم کی مل سکے تو بے شک ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ طریق منہاجِ نبوت پر ہے لیکن اگر ایک مثال بھی ایسی نظر نہ آتی ہو تو سمجھنا پڑے گا کہ یہ ایک عارضی سہولت ہے جو کارکنوں کو دی گئی۔ جیسے پچھلے سے پچھلے خطبہ جمعہ میں مَیں نے بیان کیا تھا کہ کچھ عارضی سہولتیں ہوتی ہیں جنہیں قانون نہیں کہا جاتا۔ وہ درمیانی زمانہ میں لوگوں کی مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے دی جاتی ہیں اور انہیں مناسب وقت آنے پر دور بھی کیا جاسکتا ہے تاکہ اصل قانون جاری ہو۔

پس صدر انجمن احمدیہ کے تمام کاموں کا ڈھانچہ لوگوں کی عادات اور ان کی مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے بنایا گیا تھا اور ایک عارضی سہولت کے لئے اسے اختیار کیا گیا تھا ورنہ وہ منہاج نبوت پر مبنی نہیں۔ منہاج نبوت والا طریق وہی ہے جس میں تنخواہوں اور گریڈوں کا کوئی سوال نہ ہو بلکہ لوگوں سے قربانی کا مطالبہ ضرورت کے مطابق ہو اور ان کا گزارہ قربانیوں کے نتائج پر مبنی ہو۔ جیسے حضرت خالدؓ بن ولید حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی کمانڈر رہے، حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں بھی کمانڈر رہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی کمانڈر رہے۔ مگر اپنے کاموں کے لحاظ سے انہیں ترقیات نہیں ملتی تھیں بلکہ ان کاموں کے نتیجہ میں جو ترقیات ہوتی تھیں ان پر ان کی ترقی منحصر تھی یعنی اگر کسی جنگ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سا مالِ غنیمت میسر آ گیا تو وہ سب میں تقسیم ہو گیا اور ہر ایک کو کافی مال مل گیا اور اگر کسی جنگ میں کچھ حاصل نہیں ہؤا تو جیب خالی رہے اور کسی کو بھی کچھ نہ ملا بلکہ انہیں جنگ میں شامل ہونے کے اخراجات بھی گھر سے مہیا کرنے پڑے۔

بعض لوگ نادانی سے خیال کرتے ہیں کہ نبیوں کی جماعتوں کو بیتُ المال سے کچھ نہیں ملتا۔ اگر انہیں کچھ نہیں ملے گا تو وہ کھائیں گے کہاں سے۔ حقیقت یہ ہے کہ نبیوں کی جماعتوں کو مال ملنا تاریخ سے ثابت ہے مگر اس طرح نہیں کہ ایک معیّن رقم ان کیلئے مقرر ہو بلکہ وہ جنگوں میں شامل ہوتے اور اس کے نتیجہ میں بعض دفعہ ایسا ہوتا کہ انہیں حکومت کی طرف سے ایک پیسہ بھی نہ ملتا مثلاً وہ لڑائی کیلئے گئے تھے مگر جاتے ہی صلح ہوگئی اور اس طرح نہ صرف انہیں کوئی مال نہ ملا

بلکہ آنے جانے کا خرچ اور جنگ کیلئے سامان مہیا کرنے کے اخراجات بھی خود برداشت کرنے پڑے اور بجائے حکومت سے کوئی امداد ملنے کے انہیں اپنے پاس سے روپیہ خرچ کرنا پڑا۔ اور بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کے مثلاً ہزار دو ہزار روپے خرچ ہوتے اور انہیں لاکھوں روپیہ مل جاتا۔ گویا اُجرت اور کام کی آپس میں کوئی نسبت ہی نہیں ہوتی تھی۔ کبھی وہ کام کرتے اور اس کام کا معاوضہ انہیں کچھ بھی نہ ملتا اور کبھی اتنا مل جاتا کہ وہ اسے دیکھ کر حیران ہو جاتے اور سوچتے کہ اب اسے رکھیں کہاں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہی بعض دفعہ اتنے اموال آئے ہیں کہ صحابہ کہتے ہیں ہمیں وہ اموال رکھنے کیلئے جگہ نہیں ملتی تھی اور بعض دفعہ بجائے کچھ ملنے کے انہیں اپنے گھر سے تمام خرچ پورا کرنا پڑتا۔ یہی منہاجِ نبوت ہے اور اسی طریق کو ہمیں اپنے صدر انجمن کے کارکنوں میں جلد یا بدیر جاری کرنا پڑے گا۔

میں نے یہ کبھی نہیں کہا اور نہ میں اس کا قائل ہوں جو بعض احمق لوگ کہا کرتے ہیں کہ نبیوں کی جماعتوں کو کچھ دیا جانا ثابت نہیں۔ اگر انہیں کچھ دیا جانا ثابت نہیں تو وہ کھاتے کہاں سے تھے۔ پس ملنے کا طریق تو تھا اور خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی جاری تھا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہی حکم ہے کہ جب غنیمتوں کے اموال آئیں تو انہیں تقسیم کردو[۴] اور مختلف قسم کی تقسیمیں ہیں جو شریعت نے تجویز کی ہیں مگر وہ کام کے لحاظ سے نہیں ملتا تھا بلکہ یا تو اس میں گزارے کو مدنظر رکھا جاتا تھا یا نتائج کو مدنظر رکھا جاتا تھا یعنی اگر روپیہ میسر آ گیا تو دے دیا اور اگر نہ آیا تو کچھ بھی نہ دیا۔ یہاں تک کہ تاریخوں میں آتا ہے کہ بعض دفعہ سونے کی تقسیم ترازوؤں سے ہوتی تھی۔ یعنی اتنی کثرت سے سونا اور دیگر اموال آ گئے کہ انہیں گِن گِن کر دینے کی کوئی صورت ہی نہ رہی۔ پس اُس وقت تکڑ پر اشرفیاں تول تول کر سب میں برابر تقسیم کر دی گئیں۔ مگر اس کے مقابلہ میں یہ بھی نظر آتا ہے کہ بعض دفعہ صحابہ کو اپنی سواریوں کا آپ انتظام کرنا پڑا، تلواریں اور نیزے خود خریدنے پڑے، آنے اور جانے کے اخراجات خود برداشت کرنے پڑے مگر جب جنگ سے واپس آئے تو انہیں ایک پیسہ کی امداد بھی نہیں دی گئی اور ان کا جو اندوختہ تھا وہ سب جنگ کے اخراجات میں صَرف ہو گیا۔ پھر نہ صرف یہ نظر آتا ہے کہ صحابہ نے بعض دفعہ اپنے گھر کا مال و اسباب بیچ کر جنگ کے اخراجات پورے کئے۔ بلکہ

یہ بھی نظر آتا ہے کہ بعض دفعہ انہوں نے اپنی جائیدادیں بیچ کر دوسروں پر خرچ کر دیں اور ان کیلئے تمام ضروریات مہیا کیں۔ چنانچہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپ نے فرمایا کہ فلاں سفر پر ہماری فوج جانے والی ہے مگر مومنوں کے پاس کوئی چیز نہیں۔ کیا کوئی تم میں سے ہے جو ثواب حاصل کرے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہ سنتے ہی اُٹھے اور آپ نے اپنا اندوختہ نکال کر وہ رقم مسلمانوں کے اخراجات کیلئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا تو فرمایا عثمانؓ نے جنت خرید لی۔[5]

اسی طرح ایک دفعہ ایک کنواں بِک رہا تھا۔ مسلمانوں کو چونکہ اُن دنوں پانی کی بہت تکلیف تھی اس لئے آپ نے اس موقع پر پھر فرمایا کوئی ہے جو ثواب حاصل کرے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللہ! میں حاضر ہوں۔ چنانچہ آپ نے وہ کنواں خرید کر مسلمانوں کیلئے وقف کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا کہ عثمان نے جنت خرید لی۔[6] اسی طرح ایک اور موقع پر بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق یہی الفاظ کہے۔ غرض تین موقعے ایسے آئے ہیں جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا کہ انہوں نے جنت خرید لی ہے۔ گو مسلمانوں کی بدقسمتی یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ جب وہ کسی شخص سے مخالفت کرتے ہیں تو اس کی مخالفت میں دوسرے بزرگوں پر بھی حملہ کر دیتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص مجھ پر حملہ کرے گا اس کے حملہ کی زد تمام انبیاء پر پڑے گی۔ اسی طرح جو شخص ایک خلیفہ پر حملہ کرتا ہے وہ دراصل سارے خلفاء پر حملہ کرتا ہے۔ چنانچہ میں نے دیکھا ہے کہ قریب کے عرصہ میں مصری صاحب نے ایک اشتہار شائع کیا ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب فلاں فلاں غلطیاں کیں اور مسلمانوں نے آپ سے مطالبہ کیا کہ آپ خلافت سے دست بردار ہو جائیں تو گو انہوں نے الگ ہونے سے انکار کر دیا مگر مسلمانوں نے تو بہر حال ایک رنگ میں انہیں معزول کر ہی دیا۔ گویا حضرت عثمانؓ اِسی بات کے مستحق تھے کہ خلافت سے معزول کئے جاتے

حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق بارہا یہ فرمایا ہے کہ انہوں نے جنت خرید لی اور وہ جنتی ہیں اور ایک دفعہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے دوبارہ بیعت لی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اُس وقت موجود نہ تھے تو آپ نے اپنا ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھا اور فرمایا یہ عثمان کا ہاتھ ہے میں اس کی طرف سے اپنے ہاتھ پر رکھتا ہوں۔ اس طرح آپ نے اپنے ہاتھ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا[7] اور پھر ایک دفعہ آپ سے فرمایا اے عثمان! خدا تعالیٰ تجھے ایک قمیص پہنائے گا۔ منافق چاہیں گے کہ وہ تیری اس قمیص کو اُتار دیں مگر تُو اُس قمیص کو اُتاریو نہیں۔[8] اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ فرماتے ہیں کہ اُس قمیص کو نہ اُتارنا اور جو تم سے اس قمیص کے اُتارنے کا مطالبہ کریں گے وہ منافق ہوں گے۔ مگر مصری صاحب محض میری مخالفت میں آج یہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ سے عزل کا مطالبہ کرنے والے حق پر تھے اور غلطی پر حضرت عثمانؓ ہی تھے۔ یہ ویسی ہی بات ہے جیسے کہتے ہیں کہ کوئی پٹھان کنز پڑھ رہا تھا۔ اس میں اس نے یہ لکھا دیکھا کہ حرکت سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اس کے بعد ایک دن جب وہ حدیث کا سبق لے رہا تھا تو اتفاقاً یہ حدیث آ گئی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ نے اپنے ایک نواسہ کو اُٹھا لیا[9] تو وہ یہ حدیث پڑھتے ہی کہنے لگا کہ خوہ محمد صاحب کا نماز ٹوٹ گیا۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرماتے ہیں کہ خدا تجھے خلافت کی قمیص پہنائے گا اور تُو اس کا قائم کردہ خلیفہ ہوگا اور جو لوگ تجھ سے عزل کا مطالبہ کریں گے وہ منافق ہوں گے مگر مصری صاحب کہتے ہیں کہ نہیں وہ خدا کے قائم کردہ خلیفہ نہیں تھے اور جنہوں نے آپ سے عزل کا مطالبہ کیا وہی حق پر تھے۔ گویا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور خدا تعالیٰ کی بتائی ہوئی بات تو نَعُوْذُ بِاللہ جھوٹ ہوئی لیکن منافق جو کچھ کہہ رہے تھے وہ سچ تھا اور اصل مومن وہی تھے کیونکہ ان کے نزدیک خدا اور رسول کا کیا ہے وہ تو دو ہوئے اور منافق بہت سے تھے اور دو کی رائے اکثریت کے مقابلہ میں کمیٹیوں میں کہاں مانی جاتی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قربانیاں آتی ہیں اور ان قربانیوں کے نتیجے کبھی مل جاتے ہیں اور کبھی نہیں ملتے۔ یہی صحابہ میں نظر آتا ہے اور یہی طریقِ عمل ہمیں اختیار کرنا پڑے گا۔ یہ طریق

بالکل غلط ہے کہ نتیجہ خواہ نکلے یا نہ نکلے لوگوں کا جو حق مقرر ہے وہ انہیں دے دیا جائے۔ صدر انجمن احمدیہ کی بنیاد اب تک اس امر پر ہے کہ ہر شخص کا ایک حق مقرر ہے۔ خواہ چندہ جمع ہو یا نہ ہو، خواہ تھوڑا آئے یا بہت آئے۔ انہیں اپنا حق ضرور ملنا چاہئے۔ مگر یہ منہاجِ نبوت نہیں بلکہ منہاجِ مغرب ہے۔ مغرب کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب کسی نے اپنا کام کر دیا تو اس کا اب یہ حق ہو گیا کہ وہ ہم سے اُجرت کا مطالبہ کرے حالانکہ یہ اصل بندوں کے لحاظ سے تو درست تسلیم کیا جاتا ہے مگر خدا تعالیٰ کے لحاظ سے درست تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی اس بات کو تسلیم کرے یا نہ کرے کہ خدا ہر نیک کام کی جزا دینے والا ہے اور اگر کسی کو اس جہان میں بدلہ نہ ملے تو اگلے جہان میں مل کر رہے گا لیکن جو شخص اس بات کو مانتا ہے وہ گویا اس امر کا اقرار کرتا ہے کہ میرا معاملہ بندوں سے نہیں بلکہ خدا سے ہے۔ اگر بندوں کی طرف سے مجھے کچھ بھی نہ ملا تب بھی خدا میرے اجر کو ضائع نہیں کرے گا اور وہ اگلے جہان میں اپنی نعمتوں سے مجھے مالا مال کر دے گا۔ پس اس کیلئے کسی معیّن اُجرت کا ہونا بالکل بے معنی بات ہے۔ اگر ایک بادشاہ کا کوئی شخص ایک مہینہ تک کام کرے اور وہ دنیا میں اسے کام کی اُجرت نہ دے تو کیا وہ بادشاہ اس امر کی طاقت رکھتا ہے کہ اگلے جہان میں اسے اس کے کام کی جزاء دے۔ اگلے جہاں میں تو وہ خود مدد کیلئے دوڑتا پھرے گا، اسے کہاں دے گا۔ پس اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ملازم کو اسی جہان میں اس کی مزدوری دے۔ لیکن جو لوگ ایک نبی کی جماعت میں داخل ہوں اور منہاجِ نبوت پر کام کر رہے ہوں وہ نہیں کہہ سکتے کہ اگر اس جہان میں انہیں کام کا معاوضہ نہ دیا گیا تو اگلے جہاں میں انہیں نہیں مل سکے گا۔ کیونکہ ان کا مالک خدا ہے اور اگر اس جہان میں انہیں اپنے کاموں کا بدلہ نہ ملا تو اگلے جہان میں بہتر سے بہتر بدلہ مل کر رہے گا پس مقررہ بدلہ ان لوگوں کے ذمہ ہوتا ہے جو دوسرے وقت میں بدلہ نہیں دے سکتے لیکن جو دوسرے وقت میں بھی بدلہ دے سکتا ہو بلکہ اگر اس جہان میں بدلہ نہ ملے تو اگلے جہان میں بھی دے سکتا ہو۔ اس کے مقابلہ میں کسی قسم کی شرط جائز نہیں ہو سکتی۔

پس ابھی ہمارے بہت سے کام منہاجِ مغرب پر ہیں منہاجِ نبوت پر نہیں ہیں اور جب تک ہم اپنے ان کاموں کو منہاجِ نبوت پر نہیں لائیں گے، کامیابی کا منہ ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔

اسی طرح یہ شرط کہ آنہ فی روپیہ چندہ مقرر ہے یا پانچ پیسے فی روپیہ، بالکل غلط ہے۔ مقرر تو ایک پیسہ بھی نہیں خواہ اس فقرہ سے فائدہ اُٹھا کر بعض لوگ کہہ دیں گے کہ دیکھو جب اب انہوں نے اقرار کرلیا ہے کہ مقرر ایک پیسہ بھی نہیں تو ہم زیادہ چندہ کیوں دیں، مگر حقیقت یہی ہے کہ خواہ ہم آنہ فی روپیہ چندہ کہیں یا پانچ پیسہ فی روپیہ مقرر کچھ بھی نہیں۔ مقرر سلسلہ کی ضروریات کے لحاظ سے ہے۔ اگر سلسلہ کی ضروریات یہ تقاضا کرتی ہوں کہ ہم آنہ یا پانچ پیسہ کی بجائے پورا روپیہ ہی سلسلہ کے حوالے کریں تو اُس وقت ہمارا یہی فرض ہے کہ ہم روپیہ دیں اور اگر پیسہ کی ضرورت ہو تو اس وقت پیسہ دینا پڑے گا۔ کوئی کہے کہ اس طرح روپیہ جمع کس طرح ہوسکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دُنیوی گورنمنٹیں بے شک روپیہ جمع کرتی ہیں لیکن اسلامی گورنمنٹیں روپیہ جمع نہیں کیا کرتیں اور نہ ہمارا حق ہے کہ روپیہ جمع کریں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی زمانہ میں نقد روپیہ جمع کی صورت میں بہت کم نظر آتا تھا۔ گو کچھ جائیدادیں ضرور محفوظ کی گئی تھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو روپیہ رکھتے ہی نہیں تھے بلکہ جو کچھ آتا اسے تقسیم کر دیتے تھے۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں روپیہ اس لئے جمع نہیں رکھتے تھے کہ آپ پر الزام نہ آئے مگر یہ غلط خیال ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقِ عمل سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ نہ صرف اپنے گھر میں روپیہ جمع نہیں رکھتے تھے بلکہ آپ نے کوئی خزانہ بھی نہ بنایا ہؤا تھا۔ جس قدر روپیہ آتا وہ آپ تقسیم فرما دیتے اور سمجھتے تھے کہ جب اور ضرورت ہوگی تو اللہ تعالیٰ اور بھیج دے گا۔ یہ آپ کے توکّل کا اعلیٰ مقام تھا۔ ہر شخص یہ طریق اختیار نہیں کرسکتا مگر بہرحال منہاجِ نبوت یہی ہے کہ روپیہ جمع نہ ہو بلکہ خرچ ہوتا رہے۔

ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کر لوگوں کے کندھوں سے پھاندتے ہوئے جلدی جلدی گھر تشریف لے گئے۔ صحابہ کچھ حیران سے ہوئے کہ اتنی جلدی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیوں تشریف لے گئے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ پھر کسی کام کیلئے واپس آئے تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کچھ مال بھیجا تھا جو میں نے تقسیم کر دیا۔ صرف دو دینار باقی تھے۔ میں نماز پڑھا کر جلدی جلدی گھر گیا اور مجھے خیال آیا کہ وہ اب تک کیوں پڑے ہیں چنانچہ میں اب انہیں تقسیم کر کے آیا ہوں۔[1] پس یہی نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں روپیہ

جمع نہیں رکھتے تھے بلکہ آپ نے یہ بھی فیصلہ کیاہؤا تھا کہ میں خزانہ سرکاری میں بھی روپیہ جمع نہیں کیا کروں گا۔ چنانچہ جس قدر روپیہ آتا آپ اُسی وقت تقسیم کر دیتے۔ البتہ بعض اوقات کچھ رکھ بھی لیتے مگر بِالعموم آپ کا طریق یہی تھا کہ اپنے پاس کچھ نہ رکھتے۔ ہاں اگر کوئی عارضی ضرورت سامنے ہوتی تو کچھ رکھ لیتے مگر وہ بھی زیادہ عرصہ کیلئے نہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی یہی طریق جاری رہا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں البتہ کچھ جمع کیا جاتا رہا مگر وہ بھی زیادہ تر اِس لئے کہ بعض بدّو اور دوسرے غرباء آ جاتے تھے اور ان کیلئے آٹے، دانے، گھی، شہد اور نقدی وغیرہ کی ضرورت ہوتی تھی۔ پس کسی حد تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ چیزیں جمع رکھتے تھے۔ وگرنہ عام طور پر جو مال آتا اسے آپ بھی تقسیم ہی کر دیا کرتے تھے۔

غرض خلفاء کے زمانہ میں روپیہ جمع کرنے کا رواج ہمیں کہیں نظر نہیں آتا سوائے اس کے کہ بعض زمینیں جو فتوحات میں حاصل ہوئیں آئندہ ضرورتوں کیلئے محفوظ رکھ لی جاتی تھیں۔ اور نہ معیّن معاوضے لوگوں کو ملا کرتے تھے۔ اگر حکومت کے پاس روپیہ زیادہ آ جاتا تو لوگوں کو زیادہ دے دیا جاتا اور اگر تھوڑا آتا تو تھوڑا دے دیا جاتا۔ یہ طریق تھا جس پر اُس زمانہ میں کام ہوتا تھا اور یہی منہاجِ نبوت ہے۔ مگر یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب کام کرنے والے کہیں کہ ہم معیّن معاوضے نہیں لیں گے بلکہ سلسلہ کو جس قدر آمد ہوگی اُس نسبت سے ہمیں جو کچھ دیا جائے گا اسے ہم بخوشی قبول کریں گے۔

غرض ہمارے بہت سے کاموں میں ابھی تبدیلی کی ضرورت ہے اور وہ منہاجِ نبوت پر نہیں بلکہ منہاجِ مغرب پر قائم ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ ہم ان حالات کو بدل دیں۔ اگر کوئی کہے جب یہ معاملہ اس قدر ضروری ہے تو اِس وقت تک چُپ کیوں رہے ہو یا کیوں ابھی تبدیلی نہیں کر دیتے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس وجہ سے میرے بڑے خاموش رہے اسی وجہ سے میں بھی خاموش ہوں اور اصل بات یہ ہے کہ اسلام نے کاموں میں تبدیلی آہستہ آہستہ پسند کی ہے، فوری طور پر تبدیلی پسند نہیں کی لیکن بہرحال یہ کام خواہ آج ہو یا آج سے چند سال بعد، ہوکر رہے گا اور ہمیں اپنے تمام کاموں کو اسلامی بنیاد پر لانا پڑے گا اور بڑوں اور چھوٹوں کے معاوضوں کے اس طریق کو مٹانا پڑے گا جو اِس وقت جاری ہے اور وہی راہِ عمل اختیار کرنا

پڑے گا جو خالص اسلامی ہے اور جس کا اصول یہ ہے کہ خزانہ میں جس نسبت سے روپیہ آئے اُسی نسبت سے کام کرنے والوں میں تقسیم ہوتا رہے، خواہ انہیں تھوڑا ملے یا بہت ۔ بالکل ممکن ہے ہم اپنے نظام کے بعض حصوں میں اس طریق کو جاری نہ کرسکیں ۔ مثلاً مدرسہ ہے وہاں حکومت کی بعض پابندیوں کی وجہ سے اس امر کا امکان ہے کہ ہم یہ طریق اختیار نہ کرسکیں مگر جہاں اور جس حد تک سرکاری قانون ہمارے راستہ میں حائل نہیں ہوگا وہاں ہم اس بات پر مجبور ہوں گے کہ ایسے ہی لوگوں سے کام لیں جو اسلامی طریق پر چلنے کیلئے تیار ہوں اور اگر کوئی اس بات کیلئے تیار نہ ہوا تو اسے کہہ دیا جائے گا کہ تم اپنے گزارہ کا کوئی اور انتظام کرلو۔

میں نے یہ جماعت کو اس لئے بتایا ہے تا جماعت کے دوست اس امر پر غور کریں اور کارکن بھی سوچیں کیونکہ جلد یا بدیر ہمیں یہ طریق اختیار کرنا پڑیگا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق عطا فرمائی تو میں اپنا پورا زور اس بات کیلئے لگاؤں گا کہ ہمارا تمام نظام منہاجِ نبوت پر آ جائے اور مغرب کے اصول کو جلد یا بدیر ہم بالکل ترک کر دیں کیونکہ ہم کو اگر کامیابی ہوگی تو انہی اصول پر چل کر جو اسلام نے مقرر کئے ہیں نہ ان اصول پر چل کر جو مغرب نے تجویز کئے ہیں ۔ اور اگر ہم اپنے نظام اور اصول میں مغرب کے ہی شاگرد رہے اور عقیدہ میں ہم نے مغرب پر فتح حاصل کرلی تو ہم نے مغرب کو شکست بھی دی تو کیا شکست دی ۔ حالانکہ ہماری جس قدر دشمنی ہے وہ مغربیت سے ہے نہ کہ مغرب کے آدمیوں سے ۔ اور اگر مغربیت ہمارے اندر خود آ گئی تو مغرب کو ہم نے کیا زک پہنچائی ۔ آخر مغرب کے آدمی تو ہمارے دشمن نہیں وہ تو ہمارے بھائی ہیں ۔ اگر آج مغرب کے لوگ مسلمان ہو جائیں تو ہم انہیں اپنے سر آنکھوں پر بٹھائیں ۔ لیکن اگر ہم آدمیوں سے نفرت کرتے ہیں اور ان کے افعال سے محبت کرتے ہیں ۔ مغربیت کو تو خود اختیار کرتے ہیں مگر مغرب کے باشندوں سے دور بھاگتے ہیں تو ہم نہ صرف مغربیت کا جبہ خود پہن لیتے ہیں بلکہ اسلام کی تعلیم کے خلاف بھی چلتے ہیں ۔ کیونکہ اسلام آدمیوں سے عداوت جائز قرار نہیں دیتا بلکہ بُرے افعال سے عداوت پسند کرتا ہے ۔ جب افغانستان میں ہمارے چند آدمی مارے گئے اور ہم نے حکومت کے اس فعل کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تو ہم نے اُسی وقت اس امر کی تصریح کر دی تھی کہ ہماری امیر اور اس کے آدمیوں سے کوئی دشمنی نہیں

ہمیں تو اس غلط عقیدہ سے دشمنی ہے جس کے مطابق انہوں نے ہمارے آدمیوں کو شہید کیا اور جسے اسلام کی تعلیم کے خلاف انہوں نے اختیار کر رکھا ہے اور اگر کوئی سچے دل سے توبہ کر لے تو چاہے وہ کتنا بڑا دشمن ہو ہم اسے اپنا بھائی سمجھیں گے۔ آخر جو احمدی بنتے ہیں یہ کہاں سے آتے ہیں؟ یہ انہی لوگوں میں سے آتے ہیں جو احمدیت کے شدید مخالف ہوتے ہیں بلکہ ایسے ایسے شدید دشمن ہدایت پر آجاتے ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔

میں نے کئی دفعہ سنایا ہے کہ حافظ روشن علی صاحب مرحوم نے ایک دفعہ بتایا کہ جلسہ سالانہ کے ایام میں ایک دن احمدیہ چوک میں تیس چالیس آدمی باہر بورڈنگ کی طرف آ رہے تھے اور پانچ سات آدمی لنگر خانہ کی طرف سے۔ جب وہ ایک دوسرے کے بالکل قریب پہنچے تو ٹھٹھک کر کھڑے ہو گئے اور حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ پھر معاً وہ آگے بڑھے اور ایک دوسرے سے گلے مل کر چیخیں مار کر رونے لگے۔ فرماتے تھے میں نے ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تو وہ جو زیادہ تعداد والے تھے انہوں نے بتایا کہ یہ پانچ سات آدمی ہمارے گاؤں میں سب سے پہلے احمدی ہوئے جس پر ہم نے انہیں بڑی بڑی تکلیفیں پہنچائیں، یہاں تک کہ انہیں اپنے گاؤں سے نکال دیا۔ پھر ہمیں کچھ معلوم نہیں ہوا کہ یہ کہاں چلے گئے۔ ایک لمبے عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی اور ہم بھی احمدی ہو گئے۔ آج یہ پہلا موقع ہے کہ ہم نے ان کی شکل دیکھی۔ بس انہیں دیکھتے ہی ہمیں وہ تمام تکلیفیں یاد آ گئیں جو ہم نے انہیں پہنچائیں اور بے اختیار ہمیں یہ تصور کر کے رونا آ گیا کہ آخر ہم بھی وہیں آ پہنچے جس جگہ یہ تھے۔ تو ایسے ایسے دشمن اگر سلسلہ میں داخل ہو سکتے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں تو آدمیوں کی عداوت سے زیادہ اور کون سی بیوقوفی ہوگی۔

میں نے کئی دفعہ کہا ہے کہ مجھے مولوی ثناء اللہ صاحب کی ذات سے بھی کبھی دشمنی نہیں ہوئی بلکہ بچپن میں جب مجھے کامل عرفان حاصل نہیں تھا میں بعض دفعہ حیران ہو کر کہا کرتا تھا کہ خدایا! کیا میرے اندر غیرت کم ہے کہ لوگ تو کہتے ہیں ہمیں مولوی ثناء اللہ پر بڑا غصہ آتا ہے مگر مجھے نہیں آتا۔ تو اللہ تعالیٰ اس بات کا گواہ ہے کہ اپنی ذات میں مجھے کسی شخص سے عداوت نہیں، نہ اپنے دشمن سے اور نہ سلسلہ کے کسی دشمن سے۔ افعال بے شک مجھے بُرے لگتے ہیں اور انہیں

مٹا دینے کو میرا جی چاہتا ہے مگر کسی انسان سے مجھے دشمنی نہیں ہوئی۔ حتّٰی کہ سلسلہ کے شدید ترین دشمنوں کی ذات سے بھی مجھے آج تک کبھی عداوت نہیں ہوئی حالانکہ اگر عداوت جائز ہوتی تو ان لوگوں سے ہوتی جو خدا اور اس کے رسول کے دشمن ہیں کیونکہ مومن کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کو کم درجہ دے مگر خدا اور اس کے رسول کے دشمنوں کو زیادہ بُرا جانے۔ مگر جب خدا اور اس کے رسول کے دشمنوں کی ذات سے بھی مجھے کبھی عداوت نہیں ہوئی تو اپنے دشمنوں کی ذات سے مجھے کس طرح عداوت ہوسکتی ہے۔ یہ دل بے شک چاہتا ہے کہ ہمارے سلسلہ کے دشمن اپنے منصوبوں میں ناکام رہیں اور اللہ تعالیٰ یا تو انہیں ہدایت دے یا ان کی طاقتوں کو توڑ دے مگر یہ کہ ان کو اپنی ذات میں نقصان پہنچے یہ خواہش نہ کبھی پہلے میرے دل میں پیدا ہوئی اور نہ اب ہے۔ تو آدمیوں کی عداوت کوئی چیز نہیں۔ جس چیز کو مٹانا ہمارا فرض ہے وہ خلافِ اسلام عقائد اور طریقے ہیں جو دنیا میں جاری ہیں۔ اگر ہم ان عقائد اور ان طریقوں کو مٹانے کی بجائے آدمیوں کو مٹانے لگ جائیں اور وہ اصول اور طریق خود اختیار کرلیں تو اس کی ایسی ہی مثال ہوگی جیسے کوئی بادام کے چھلکے رکھتا جائے اور مغز پھینکتا جائے۔ آدمی تو مغز ہیں اور ان کے افعال وہ چھلکے ہیں جن کو دور کرنا ہمارا کام ہے۔ پس جس چیز کو مٹانا ہے اگر اسی کو ہم لے لیں اور جس کو رکھنا ہے اس کو مٹا دیں تو اس میں کونسی عقلمندی ہوگی۔

پس میں اپنی جماعت کے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اپنی قربانیوں پر غور کرو اور یاد رکھو کہ جو قربانیاں اِس وقت کی جارہی ہیں وہ ہرگز کافی نہیں ہیں۔ اسلام اور احمدیت کی ترقی کیلئے بہت بڑی قربانیوں کی ضرورت ہے۔ اسی طرح میں صدر انجمن احمدیہ اور اس کے کارکنوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ جس طریق پر وہ چل رہے ہیں وہ منہاجِ نبوت والا طریق نہیں اور اس پر چل کر انہیں کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔ ہاں اگر وہ منہاجِ نبوت پر اپنے کاموں کی بنیاد رکھ لیں گے تو پھر کامیابی انہیں حاصل ہوجائے گی اور جلد یا بدیر ایسا ہوکر رہے گا۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ کوئی نبی آئے اور اس کی جماعت کے نظام کا کوئی حصہ منہاجِ نبوت سے باہر رہ جائے۔ پس کیوں نہ جو چیز بعد میں آنی ہے اس کو ابھی لے لیا جائے اور جس امر کو سالوں بعد اختیار کرنا ہے اسے ابھی سے اختیار کرلیا جائے۔ اگر صدر انجمن احمدیہ اس طریق کو اختیار کرلے تو یقیناً بہت جلد

احمدیت کو کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ ورنہ مشکلات بڑھتی جائیں گی اور سلسلہ کی ترقی کے راستہ میں روکیں پیدا ہوتی چلی جائیں گی۔ پس میں دوستوں کو تحریک جدید کے اس حصہ کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ ہماری دشمنی ان تمام خیالات اور طریقوں سے ہے جو اسلام کے مخالف دنیا میں نظر آتے ہیں اور ان کو مٹانا اور دنیا سے ناپید کرنا ہمارا فرض ہے اس اصل اور طریق کے بعض حصے ہم مٹا چکے ہیں اور بعض مٹا رہے ہیں اور بعض مٹانے والے ہیں۔ جو حصے ہم مٹا چکے ہیں ان کے متعلق ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں اپنے فضل سے اس کی توفیق عطا فرمائی اور جو حصے ہم مٹا رہے ہیں ان کے متعلق ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے مقصد میں کامیابی عطا فرمائے اور جو حصے ابھی باقی ہیں ان کے متعلق ہمیں سوچنا اور غور کرنا چاہیے تا جس قدر جلد ہو سکے انہیں مٹا کر اسلامی طریق پر ہم اپنے تمام نظام کو لے آئیں اور جس قدر انسانی سہارے نظر آتے ہیں انہیں دور کر دیں تا ہمارا سلسلہ کلّی طور پر منہاجِ نبوت کے رنگ میں رنگین ہو جائے اور جس قدر روکیں ہماری ترقی کے راستہ میں حائل ہیں وہ دور ہو جائیں۔ اے خدا تُو ایسا ہی کر۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ''　　　　(الفضل ۲۶ ؍فروری ۱۹۳۸ء)

---

۱ العنکبوت: ۷۰

۲ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا (البقرة: ۱۹۰)

۳ النحل: ۲۷

۴ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ (الانفال: ۴۲)

۵ تا ۷ بخاری کتاب فضائل اَصحاب النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم باب مناقب عثمان بن عفان (الخ)

۸ ابن ماجه کتاب السنة باب فی فضائل اَصحاب رسول الله صلی اللّٰہ علیه وسلم

۹ بخاری کتاب الصلوٰة باب اِذَا حَمَلَ جَارِيَةً صَغِيْرَةً ...... (مفہوماً)

۱۰ بخاری کتاب الزکوٰة باب مَنْ اَحَبَّ تَعْجِيْل الصدقَة مِنْ يَوْمِهَا